باب دوم

اِسلامی تشخص

ارکانِ اسلام

ارکانِ اسلام سے مراد دین کے وہ بنیادی اصول و اعمال ہیں جن پر اسلام کی پوری عمارت قائم ہے۔ نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کا ارشادِ گرامی ہے:

"بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ" (بخاری۔ مسلم)

ترجمہ: اسلام کی عمارت پانچ ستونوں پر اٹھائی گئی ہے، اس بات کی شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ) اس کے بندے اور اس کے (آخری) رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

کلمہ شہادت:

ارکانِ دین میں سب سے اہم کلمہ شہادت ہے جس کے الفاظ ہیں:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ (حضرت) محمد (خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ) اس کے بندے اور اس کے (آخری) رسول ہیں۔

توحید کے باب میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ عقیدۂ توحید کے انسانی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہاں چند اجمالی اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

کفر و شرک سے نجات:

کلمہ شہادت کا پہلا حصہ یعنی اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ عقیدہ توحید کا ہی اعلان و اعتراف ہے۔ کلمہ شہادت کا دوسرا حصہ یعنی اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اس امر کا اعلان ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ اللہ تعالیٰ کے بندے اور سچے رسول ہیں اور آپ خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کا پیش کردہ دین ہی دینِ حق ہے۔ ان دونوں باتوں کی گواہی دیے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ گو بظاہر توحید و رسالت دو باتیں ہیں، لیکن در اصل دونوں ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔ نہ اللہ تعالیٰ کو مانے بغیر کوئی شخص رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کو مان سکتا ہے اور نہ رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کو تسلیم کیے بغیر اللہ تعالیٰ کو پہچان سکتا ہے۔ چونکہ رسول پر ایمان لانے کے مفہوم میں ان کی بتائی ہوئی تعلیمات کو تسلیم کرنا شامل ہے اس بنا پر یہ ایک کلمہ پڑھ لینے سے ذہنِ انسانی کو کفر و شرک کے تمام تصورات سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔

Web Version of PCTB Textbook

حقیقی گواہی:

اللہ کو معبود اور محمد مصطفی خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کو اس کا آخری نبی تسلیم کر لینے سے گواہی کی ظاہری طور پر ادائیگی ہو جاتی ہے۔ لیکن اس زبانی گواہی کے ساتھ ضروری ہے کہ کلمہ پڑھنے والے کا دل اس گواہی کی تصدیق کرے اور دل کی تصدیق کی عملی صورت اللہ اور اس کے رسول خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی اطاعت ہے۔ ایسی اطاعت کہ دل کی تمام خواہشات شریعت اسلامی کے تابع ہو جائیں۔ جیسا کہ نبی کریم خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

"لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ"

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے دل کی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائیں۔

انسانی عظمت کا ضامن عقیدہ:

اسلامی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ جب مسلمانوں نے اپنے قول و عمل سے توحید و رسالت کی گواہی دی اور اپنے تمام انفرادی و اجتماعی معاملات میں شریعت اسلامی کی کماحقہ پیروی کا اہتمام کیا تو وہ انسانی عظمت کی بلندیوں پر جا پہنچے لیکن جب یہ گواہی دلی تصدیق اور عملی اطاعت سے محروم رہ گئی، تو ہماری عزت و عظمت خاک میں مل گئی۔

نماز:

اسلام ایک مکمل اور جامع نظامِ حیات ہے۔ وہ اپنے پیروکاروں کو چند اعتقادات ہی دے دینے پر اکتفا نہیں کرتا، بلکہ ان کی پوری زندگی کو ان اعتقادات کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے عبادات کا ایک نظام مقرر کرتا ہے۔ جو نماز، زکوٰۃ، روزے اور حج پر مشتمل ہے۔ اس کے پہلے اور سب سے اہم جز، نماز کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات میں سے ایک ارشاد یہ ہے۔

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۳۱ (سورۃ الروم:31) ترجمہ: نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جانا۔

نبی کریم خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی بہت سی احادیث، نماز کی تاکید پر مشتمل ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے:

رَأْسُ الْاَمْرِ الْاِسْلَامُ وَعُمُوْدُهُ الصَّلٰوةُ

ترجمہ: دین کی اصل بنیاد اللہ اور رسول خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا ہے اور اس عمارت کا ستون نماز ہے۔

نماز کی تاکید:

نماز چونکہ دینی تربیت کا اہم ترین حصہ ہے۔ اس لیے ہر امت پر فرض رہی ہے۔ اور تمام انبیا اپنی امتوں کو نماز کی تلقین کرتے رہے ہیں۔ قرآن بتاتا ہے کہ نماز قائم کرنے والے فلاح پائیں گے اور اسے ترک کرنے والے ذلت و خواری کا شکار ہوں گے۔ ایک آیت میں مذکور ہے کہ جب عذاب کے فرشتے جہنمیوں سے عذاب پانے کی وجہ دریافت کریں گے تو وہ اپنے جہنم میں پھینکے جانے کی ایک وجہ یہ بتائیں گے:

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝۴۳ (سورۃ المدثر:43) ترجمہ: وہ کہیں گے ہم نماز ادا کرنے والوں میں سے نہ تھے۔

دل و زبان سے اللہ کو معبود تسلیم کرنے کے بعد اس کے سب سے اہم حکم نماز کی ادائیگی سے انحراف ایک طریقے سے اللہ تعالیٰ کو معبود ماننے سے انکار کے برابر ہے۔ اس لیے نبی کریم خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

Web Version of PCTB Textbook

مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ (ترمذی)   ترجمہ: جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی، اس نے کافرانہ روش اختیار کی۔

نماز قربِ الٰہی کا سب سے موثر وسیلہ ہے۔ نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اَحَدَ کُمْ اِذَا صَلّٰی یُنَاجِیْ رَبَّہٗ (بخاری)

ترجمہ:۔ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھتا ہے تو گویا اپنے رب سے چپکے چپکے بات چیت کرتا ہے۔

اِسی اہمیت کے پیشِ نظر قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔ نبی کریم خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

اَوَّلُ مَا سُئِلَ، سُئِلَ عَنِ الصَّلٰوۃِ   ترجمہ:۔ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا۔

نماز کے فوائد:

1۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے بندہ کی دن میں پانچ مرتبہ حاضری اس کے دل میں یہ احساس تازہ رکھتی ہے کہ وہ اپنے اللہ کا بندہ ہے۔ بندگی کا یہ احساس متواتر نماز پڑھنے سے ایک مسلمان کی فطرتِ ثانیہ بن جاتا ہے۔ اوراس کی پوری زندگی تعمیلِ احکام کا عملی نمونہ بن جاتی ہے۔

2۔ دن میں پانچ مرتبہ قُربِ الٰہی کا احساس مسلمان کو یقین دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اس کے ساتھ ہے۔ یہ کبھی خود کو تنہا محسوس نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونے کا احساس اُسے گناہ کے کاموں سے روکتا ہے اور اس کے دل سے ہر قسم کا خوف اورغم دُور کر دیتا ہے۔

3۔ نمازوں کے درمیانی وقفے میں بھی نمازوں کے اثرات جاری وساری رہتے ہیں۔ نماز کے بعد گناہ کا خیال آئے تو بندہ سوچتا ہے کہ ابھی تو اپنے اللہ سے دعا کر کے آیا ہوں کہ ”اے اللہ مجھے گناہوں سے بچا“ اور ابھی گناہ کا کام کروں گا تو کچھ دیر بعد اس کے سامنے کیا مُنھ لے کر جاؤں گا۔ یہ چیز اسے مُستقلاً گناہ سے روکے رکھتی ہے۔

4۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی خوشنودی کے حصول کے سلسلے میں پانچ مرتبہ، باہم ملنے والے افراد کے درمیان محبت و یگانگت پیدا ہوتی ہے، جس سے سب کو فائدہ پہنچتا ہے۔

5۔ نماز باجماعت سے اور بطور خاص جمعہ اور عیدَین کی نمازوں سے مسلمانوں میں اجتماعیت کا شعور پیدا ہوتا ہے۔ جب مسلمان رنگ، نسل، علاقے اور طبقے کے امتیازات سے بے نیاز ہو کر شانے سے شانہ ملا کر ایک امام کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں تو اس سے ان کے درمیان فکری وحدت کے ساتھ ساتھ عملی مساوات کا احساس بھی پیدا ہوتا ہے۔

6۔ اجتماعی شکل میں انجام پانے والے اعمال کی کیفیات، انفرادی اعمال کے مقابلے میں زیادہ موثر ہوتی ہیں۔ اسی لیے اجتماعی نماز کا ثواب انفرادی نماز کے مقابلے میں ستائیس گنا زیادہ ہوتا ہے۔

7۔ نمازیوں کو مسجد میں آتے جاتے دیکھ کر بے نمازوں کو ترغیب وتحریص ہوتی ہے اور وہ بھی نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

8۔ نماز میں امام کا تقرر اور اس کی پیروی، اجتماعی نظم وضبط کا شعور پیدا کرتی ہے۔ نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِیّٖن صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے تو نماز باجماعت کے لیے مسجد میں نہ پہنچنے والے افراد کے لیے فرمایا تھا کہ جو لوگ نماز کے لیے مسجد میں نہیں آتے اگر مجھے ان کے بیوی بچوں کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کے گھروں کو آگ لگوا دیتا۔

بے روح نمازیں:

نماز کی ادائیگی کے متذکرہ بالا فوائد وثمرات آج ہمیں کیوں حاصل نہیں ہوتے؟ غور فرمائیے! ہم میں سے کتنے افراد ہیں جو نماز

Web version of PCTB Textbook

باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں، اُس کے کلمات و اوراد کے معنی و مفہوم سے آشنا ہیں، نماز میں حضوریِ قلب سے بہرہ مند ہیں، اور نماز کے اہم ترین مقصد سے بخوبی آگاہ ہیں۔ قرآنِ کریم میں نماز کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ (سورۃ العنکبوت:45)

ترجمہ: بے شک نماز روکتی ہے بے حیائی اور بُرے کاموں سے۔

دراصل آج ہماری نمازیں بے حقیقت ہیں۔ ایسے ہی جیسے کوئی پھول ہو بغیر خوشبو کے، یا جسم ہو بغیر رُوح کے۔

روزہ:

روزہ دینِ اسلام کا بنیادی رکن ہے اور قرآنِ حکیم کے بیان کے مطابق یہ پہلی امتوں پر بھی فرض رہا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ۝۱۸۳ (سورۃ البقرۃ:183)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تا کہ تم (نافرمانی سے) بچ سکو۔

مذکورہ بالا آیت سے جہاں روزے کا فرض ہونا ثابت ہوتا ہے وہاں اس کو فرض کرنے کی حکمت بھی معلوم ہوتی ہے اور وہ ہے تقویٰ کا حصول۔

تقویٰ:

تقویٰ کا مفہوم پرہیز گاری ہے۔ تقویٰ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو انسان کو برائیوں سے روکتی اور نیکیوں کی طرف راغب کرتی ہے۔

ضبطِ نفس:

انسان کو نیکی کے راستے سے روکنے اور برائی کے راستے پر ڈالنے والی اہم چیز خواہشِ نفس ہے۔ خواہشات اگر اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تابع رہیں تو انسان کی انفرادی اور اجتماعی خوبیوں کے فروغ کا سبب بنتی ہیں۔ لیکن جب یہ ہدایت ربانی کے تابع نہیں رہتیں تو انسان کو حیوانی سطح سے بھی گرا دیتی ہیں۔ روزے کا اصل مقصد انسان کی خواہشات کو احکامِ الٰہی کے تابع کر کے اسے متقی بنانا ہے۔ جو شخص ہر سال ایک مہینہ تک اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر اپنی بنیادی خواہشات پر قابو پانے کی مشق کامیابی سے مکمل کر لے، اسے ضبطِ نفس کی وہ قوت حاصل ہو جاتی ہے، جس سے وہ شیطان کی ہر ترغیب کا آسانی سے مقابلہ کر سکتا ہے۔

جب ایک انسان رمضان کے پورے مہینے میں کھانے، پینے اور نفسانی خواہشات پر قابو رکھتا ہے نیز دیگر اخلاقی برائیوں سے اجتناب کرتے ہوئے اپنا اکثر وقت عبادات اور نیک کاموں میں گزارتا ہے تو اس کی طبیعت میں نیکی کا ذوق پیدا ہو جاتا ہے۔ اور بدی سے نفرت ہو جاتی ہے۔ روزہ خواہشات پر قابو پانے کی تربیت کے ساتھ ساتھ انسان کی انانیت (خود پسندی) کا بھی مؤثر علاج ہے۔ جب انسان بھوک اور پیاس کی شدت میں کھانے پینے کی اشیاء پاس ہوتے ہوئے بھی خود کو کھانے پر قادر نہیں پاتا تو اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بے چارگی کا احساس ہوتا ہے۔ اور یہ احساس جب دائمی کیفیت بن جائے تو اس میں ہر خلافِ شریعت عمل سے رُک جانے کی صلاحیت پیدا کر دیتا ہے۔

نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے جہاں ارشاد فرمایا ہے "ایمان اور احتساب کے ساتھ رکھے گئے روزوں سے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں"، وہاں یہ بھی فرمایا ہے "بہت سے روزے دار ایسے ہیں کہ جن کو اپنے روزوں سے بھوک اور پیاس کی اذیت کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا"۔ اسی طرح آپ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ (بخاری)

ترجمہ: اگر کوئی شخص روزہ رکھ کر بھی جھوٹ اور غلط کاریوں سے نہیں بچتا تو اس کا کھانا پینا چھڑانے سے اللہ کو کوئی دلچسپی نہیں۔

Web Version of PCTB Textbook

روزوں کا ثواب:

جو روزے نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے قول کے مطابق ایمان اور احتساب کے ساتھ رکھے جائیں ان کے ثواب کا اندازہ درج ذیل حدیثوں سے ہوگا:

"کُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ یُضَاعَفُ الْحَسَنَۃَ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا اِلٰی سَبْعِ مِائَۃِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِلَّا الصَّوْمُ فَاِنَّہٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ" (مسلم)

ترجمہ: آدمی کے ہر عمل کا ثواب (اللہ تعالیٰ کے یہاں) دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ہوجاتا ہے (لیکن روزے کی تو بات ہی کچھ اور ہے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مگر روزہ تو خاص میرے لیے ہے اس لیے اس کا ثواب میں اپنی مرضی سے (جتنا چاہوں گا) دوں گا۔

مَنْ فَطَّرَ فِیْہِ صَآئِمًا کَانَ مَغْفِرَۃً لِّذُنُوْبِہٖ وَعِتْقُ رَقَبَتِہٖ مِنَ النَّارِ وَکَانَ لَہٗ مِثْلُ اَجْرِہٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْتَقِصَ مِنْ اَجْرِہٖ شَیْئًا (سنن ابن ماجہ۔ ترمذی)

ترجمہ: جو شخص اس (رمضان) میں کسی روزہ دار کو افطار کرائے گا اس کے گناہوں کے لیے معافی ہے اور وہ خود کو جہنم کی آگ سے بچالے گا۔ اور اسے روزہ دار جتنا ہی ثواب ملے گا جبکہ اس روزہ دار کے اپنے ثواب میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔

روزہ کے اجتماعی فوائد:

یوں تو روزہ ایک انفرادی عبادت ہے لیکن اس کے درج ذیل فوائد بھی ہیں:

1۔ مہینہ بھر بھوکا پیاسا رہ کر انسان کو دوسرے کی بھوک پیاس کا احساس ہوتا ہے اور دل میں ناداروں کے لیے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

2۔ کم سے کم غذا پر اکتفا کی عادت انسان میں قناعت و ایثار کی صفات پیدا کرتی ہے۔

3۔ ایک ہی وقت میں پوری ملتِ اسلامیہ کا ایک عبادت میں مصروف رہنا' باہمی یگانگت کے فروغ کا سبب بنتا ہے۔ اس اعتبار سے نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ماہ رمضان کو مؤاسات اور غمگساری کا مہینا قرار دیا ہے۔

4۔ ایک ماہ تک دن کے بڑے حصے میں معدے کا خالی رہنا جسمانی صحت کے لیے مفید ہوتا ہے۔

رمضان المبارک اور قرآن حکیم:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَھِدَ مِنْکُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْہُ ط (سورۃ البقرۃ:185)

ترجمہ: رمضان کا مہینا وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا (یہ) لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور (اِس میں) ہدایت اور (حق و باطل میں) فرق کرنے والے روشن دلائل ہیں لہٰذا تم میں سے جو بھی اِس مہینے کو پائے تو وہ اِس (مہینے) کے روزے رکھے۔

نزولِ قرآن کی یادگار:

اس مہینے میں روزوں کی فرضیت یہ معنی رکھتی ہے کہ انسان جب تک روزوں کے ذریعے تقویٰ حاصل نہ کرے وہ اس پاک کتاب سے جو متقیوں کے لیے ہدایت ہے کما حقہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

Web Version of PCTB Textbook

رمضان اور پاکستان:

یوں تو رمضان المبارک پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے رحمت ومغفرت کا مہینہ ہے لیکن ہم پاکستانی مسلمانوں کے لیے اس مہینہ اور اس کی ایک مبارک شب کی خاص اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مبارک رات میں ہمیں آزادی عطا فرمائی تھی۔ رمضان کی ستائیسویں شب کو پاکستان کی تشکیل گویا اس حقیقت کی طرف اشارہ تھا کہ اس مملکت خداداد میں اسی کتاب مقدس کا نظام زندگی نافذ کیا جائے جو اس مبارک شب میں نازل ہوئی اور ہم نے پاکستان کا مطالبہ کیا بھی اسی غرض سے تھا کہ یہاں اسلامی نظامِ حیات نافذ کیا جائے۔ اس اعتبار سے رمضان المبارک تشکیلِ پاکستان کی سالگرہ اور اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے ہمارے عہد کی تجدید کا موقع بھی ہے۔

بے اثر روزے:

آج ہمارے روزوں کے وہ فیوض وبرکات ظاہر نہیں ہوتے جن کا ہم اوپر کی سطور میں تذکرہ کر چکے ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم روزے کے اصل مقصد تقویٰ (ضبطِ نفس) سے بے خبر ہیں۔ اس کی اہم شرائط ایمان اور احتساب، دونوں سے غافل ہیں۔ جس طرح ہماری نمازیں دکھاوے کی ہیں، ویسے ہی ہمارے روزے نمائشی ہیں۔

زکوٰۃ:

انسانی معاشرے کی تشکیل میں نظامِ معیشت بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو نظامِ معاشرت کی طرح نظامِ معیشت کے بھی بہترین ضابطے عطا فرمائے ہیں۔ اگر ان ضابطوں پر عمل کیا جائے تو معاشی عدل قائم رہتا ہے اور ان کو ترک کر دینے سے ناانصافی جنم لیتی ہے جو متعدد خرابیوں کا باعث بنتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ معاشی نظام میں زکوٰۃ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ کچھ اس سے بھی ہوتا ہے کہ قرآن میں اکثر مقامات پر ادائیگیِ نماز کے ساتھ ہی ادائیگیِ زکوٰۃ کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ نماز اگر بدنی عبادت ہے تو زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ نظامِ زکوٰۃ کی اسی حیثیت کے پیشِ نظر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں سے باوجود کہ وہ کلمہ گو تھے جہاد کیا اور فرمایا کہ میں اپنی زندگی میں ان دونوں فرائض کی تعمیل میں کوئی فرق نہیں ہونے دوں گا۔

زکوٰۃ کے لُغوی معنی پاک کرنے کے ہیں۔ جو انسان زکوٰۃ ادا کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نہ صرف اپنے مال کو پاک کر لیتا ہے بلکہ اس کے ذریعے اپنے دل کو بھی دولت کی ہوس سے پاک کرتا ہے اور دولت کے مقابلے میں اس رب کی محبت کو اپنے دل میں جگہ دیتا ہے جس کے حکم پر وہ دولت کو قربان کر رہا ہے۔ ادائیگیِ زکوٰۃ اسے یہ بھی یاد دلاتی ہے کہ جو دولت وہ کماتا ہے وہ حقیقت میں اس کی ملکیت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت ہے۔ یہ احساس اسے معاشی بے راہ روی سے بچاتا اور اس کے تمام اعمال کو احکامِ الٰہی کا تابع کرتا ہے۔ نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے ارشاد کے مطابق معاشی معاملات دین کا اہم حصہ ہیں۔ جب انسان دولت جیسی نعمت اللہ تعالیٰ کے حکم پر خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایثار کی قدر کرتے ہوئے اس خرچ شدہ مال کو اپنے ذمے قرض قرار دیتا ہے۔ اور وعدہ فرماتا ہے کہ بندے کا یہ قرض وہ کئی گنا بڑھا کر واپس کرے گا۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ (سورۃ التغابن: 17)

ترجمہ: اگر تم اللہ کو قرضِ حسنہ دو گے تو وہ اُسے تمھارے لیے کئی گنا بڑھا دے گا اور تمھیں بخش دے گا اور اللہ نہایت قدر دان بڑا حلم والا ہے۔

Web Version of PCTB Textbook

اس کے مقابلے میں جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ (سورہ التوبہ: 34)

ترجمہ: اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو آپ اُنھیں دردناک عذاب کی خوش خبری دیجیے۔

ان آیات کی رُو سے زکوٰۃ کی ادائیگی انسان کے لیے آخرت کی نعمتوں کے حصول اور عذابِ جہنم سے نجات کا ذریعہ ہے جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہو سکتی۔

زکوٰۃ کے فوائد

ا۔ معاشی فوائد:

1۔ چونکہ سودی نظامِ معیشت میں محنت کے مقابلے میں سرمایہ کی افادیت کہیں زیادہ ہے اس لیے محنت کش اور کارکن طبقہ مسلسل غریب سے غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور سرمایہ دار مختلف طریقوں سے اس کی دولت ہتھیا تا چلا جاتا ہے۔ اس طرح معاشی نظام مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔ زکوٰۃ اس صورت حال کا بہترین حل ہے۔ اس نظام کے ذریعے دولت کا ایک دھارا امیر طبقے سے غریب طبقے کی جانب بھی مڑ جاتا ہے۔ جس سے غریب کی معاشی حالت بہتر ہو جاتی ہے۔ اس حقیقت کو قرآن حکیم ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ (سورۃ البقرۃ: 276)

ترجمہ: اللہ سُود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

2۔ ادائیگی زکوٰۃ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ کے ذریعے پیدا ہونے والی کمی کو پورا کرنے کے لیے صاحبِ مال اپنی دولت کسی نہ کسی منفعت بخش کاروبار میں لگانے پر مجبور ہو جاتا ہے جس سے سرمایہ کاری میں اضافہ ہوتا ہے۔ چونکہ زکوٰۃ کی شرح صرف اڑھائی فیصد ہے لہٰذا صاحبِ مال یہ رقم دیگر قسم کے بھاری ٹیکسوں کے مقابلے میں خوش دلی اور دیانت داری سے ادا کرتا ہے۔ اور اپنا سرمایہ پوری آزادی سے کاروبار میں لگاتا ہے۔ جب کہ بھاری ٹیکسوں کی ادائیگی کے خوف سے سرمایہ چھپانے کا رجحان بڑھتا ہے۔ جس سے ملکی معیشت کمزور ہو جاتی ہے۔

ب۔ معاشرتی فوائد:

معاشرے میں دولت کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو انسانی جسم میں خون کی۔ اگر یہ سارا خون دل (یعنی مالدار طبقے) میں جمع ہو جائے تو پورے اعضائے جسم (یعنی عوام) کو مفلوج کر دینے کے ساتھ ساتھ خود دل کے لیے بھی مضر ثابت ہوگا۔ اگر ایک طرف مفلس طبقہ ناداری کے مصائب سے دو چار ہوگا تو دوسری طرف صاحبِ ثروت طبقہ دولت کی فراوانی سے پیدا ہونے والے اخلاقی امراض (مثلاً عیاشی، آرام کوشی اور فکرِ آخرت سے غفلت شعاری) کا شکار ہو جائے گا۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں ان دونوں طبقوں میں حسد اور حقارت کے علاوہ کوئی اور رشتہ باقی نہیں رہے گا۔ بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ یہ کشیدگی بڑھتی ہی جائے گی۔ اور کسی نہ کسی بہانے ضرور رنگ لا کر رہے گی۔

ان تمام انفرادی و اجتماعی فوائد کے پیشِ نظر، حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کو مدینے کی اسلامی ریاست کے قیام کے فوراً بعد یہ ہدایت کی گئی۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ (سورۃ التوبہ: 103)

Web Version of PCTB Textbook

ترجمہ: آپ (خَاتَمُ النَّبِيّٖن صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ) اِن کے مال میں سے صدقہ لیجیے تا کہ آپ (خَاتَمُ النَّبِيّٖن صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ) اُنھیں پاک کریں اور اِس کے ذریعہ اِن کا تزکیہ کریں۔

زکوٰۃ کے مصارف:

تقسیمِ زکوٰۃ کی مدّات بھی اللہ تعالیٰ نے خود متعین فرما دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ
وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (سورۃ التوبہ: 60)

ترجمہ: بے شک زکوٰۃ تو (صرف) فقرا اور مسکینوں اور اس (کی تحصیل و تقسیم) پر مامور کارکنان اور (اُن کے لیے ہے) جن کی تالیف قلب (مطلوب) ہو اور غلاموں کی آزادی میں اور قرض داروں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لیے ہے یہ اللہ کی طرف سے فرض ہے اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

اس آیت کی روشنی میں مصارفِ زکوٰۃ درج ذیل ہیں:

1۔ ان تنگ دست لوگوں کی اعانت جن کے پاس کچھ نہ ہو۔
2۔ ان لوگوں کی اعانت جو زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے محروم ہیں۔
3۔ زکوٰۃ کی وصولی پر متعین عملے کی تنخواہیں۔
4۔ ان لوگوں کی اعانت جو نومسلم ہوں تا کہ ان کی تالیفِ قلب ہو سکے۔
5۔ غلاموں اور ان لوگوں کو آزاد کرنے کے مصارف جو قید و بند میں ہوں۔
6۔ ایسے لوگوں کے قرضوں کی ادائیگی جو نادار ہوں۔
7۔ جہاد فی سبیل اللہ اور تبلیغِ دین میں جانے والوں کی اعانت میں۔
8۔ مسافر جو حالتِ سفر میں مالکِ نصاب نہ ہو، گو اپنے گھر پر دولت رکھتا ہو۔

جب اسلامی نظامِ حکومت قائم ہو تو اجتماعی زکوٰۃ دینا لازم ہوگا البتہ اگر کسی خطہ زمین میں مسلمان غیر اسلامی حکومت کے زیرِ فرمان آ جائیں تو اس صورت میں تنظیموں یا باہمی تعاون کے دوسرے اداروں کے ذریعے زکوٰۃ ادا کی جا سکتی ہے۔

زکوٰۃ کا نصاب:

زکوٰۃ ان لوگوں پر فرض ہے جن کے پاس ایک خاص مقدار میں سونا، چاندی، روپیہ یا سامانِ تجارت ہو۔ اس خاص مقدار کو "نصاب" اور ایسے لوگوں کو "صاحبِ نصاب" کہتے ہیں۔ مختلف اشیاء کا نصاب یہ ہے:

1۔ سونا: ساڑھے سات تولے۔
2۔ چاندی: ساڑھے باون تولے۔
3۔ روپیہ، پیسہ اور سامان تجارت: سونے چاندی دونوں میں سے کسی ایک کی قیمت کے برابر۔

Web Version of PCTB Textbook

ادائیگیِ زکوٰۃ کے چند اصول (مسائل):

1- زکوٰۃ صرف مسلمانوں ہی سے لی جاتی ہے۔

2- کسی مال پر زکوٰۃ کی ادائیگی اُس وقت فرض ہوتی ہے جب اُسے جمع کیے ہوئے پورا ایک سال گزر چکا ہو۔

3- وہ عزیز و اقارب جن کی کفالت شرعاً فرض ہے، مثلاً ماں، باپ، بیٹا، بیٹی، شوہر، بیوی وغیرہ انھیں زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔ البتہ دُور کے عزیز، غیروں کے مقابلے میں قابلِ ترجیح ہیں۔

4- عام حالات میں ایک بستی کی زکوٰۃ خود اسی بستی میں تقسیم ہونی چاہیے۔ البتہ اس بستی میں مستحقِ زکوٰۃ کے نہ ہونے یا کسی دوسری بستی میں ہنگامی صورتِ حال، مثلاً سیلاب، زلزلہ، قحط وغیرہ کے مواقع پر زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

5- زکوٰۃ دینے والوں کو چاہیے کہ زکوٰۃ لینے والے کے مستحقِ زکوٰۃ ہونے کا ممکن حد تک اطمینان کر لیں۔

6- زکوٰۃ کی رقم سے ضرورت کی اشیاء بھی خرید کر دی جا سکتی ہیں۔

7- مستحقِ زکوٰۃ کو بتانا بھی ضروری نہیں کہ یہ پیسہ یا مال زکوٰۃ کا ہے۔

الحمد للہ! ہمارے ملک میں نظامِ زکوٰۃ کا نفاذ ہو چکا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ اس کی کامیابی کے لیے ہر ممکن تعاون کریں تا کہ اس کی برکت سے ہمارا معاشرہ دنیا کے لیے مشعلِ راہ بن سکے۔

زکوٰۃ کے جملہ فوائد و ثمرات تب ہی ظاہر ہو سکتے ہیں جب ہر صاحب مال اللہ جلّ شانہ کی خوشنودی کو اپنا لائحہ عمل بنائے اور اسلام کے فیض رسانی اور نفع بخشی کے جذبہ کو ملحوظ خاطر رکھے۔ خصوصاً زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا نظام اجتماعی طور پر قائم و دائم ہو۔

حج

ارکانِ اسلام میں حج کی اہمیت کا اندازہ قرآن مجید کی اس آیت مبارک سے بخوبی ہوتا ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٧﴾ (سورۃ اٰلِ عمران: 97)

ترجمہ: اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا (فرض) ہے جو کوئی بھی اِس کی طرف جانے کی استطاعت رکھتا ہو اور جس کسی نے کفر کیا تو بے شک اللہ جہان (والوں) سے بے نیاز ہے۔

مراد یہ ہے کہ یہ جامع عبادت، اللہ تعالیٰ کی خاطر فرض کی گئی ہے۔ اور اس کا اپنے بندوں پر یہ حق بھی ہے لیکن اس سے اللہ تعالیٰ کی کوئی اپنی غرض وابستہ نہیں۔ بلکہ اس کے ذریعے بندوں کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے۔ ادائیگیِ حج کا سب سے بڑا فائدہ گناہوں کی بخشش ہے۔ نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ (بخاری)

ترجمہ:- جو کوئی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں حج کرتا ہے اور دورانِ حج فسق و فجور سے باز رہتا ہے۔ وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو کر لوٹتا ہے گویا ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔

اپنے گناہ گار بندوں کو دنیا ہی میں پاک صاف کر دینے کا یہ انتظام جہاں اللہ تعالیٰ کے کرم کی دلیل ہے وہیں اس سے فائدہ نہ اٹھانا حد

Web Version of PCTB Textbook

درجہ کی ناشکری اور بدبختی ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے:

مَنْ لَّمْ يَمْنَعْهُ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ اَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ اَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ

فَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ اِنْ شَآءَ يَهُوْدِيًّا وَّاِنْ شَآءَ نَصْرَانِيًّا

ترجمہ: جس (صاحبِ استطاعت) شخص کو نہ کوئی ظاہری ضرورت، حج سے روک رہی ہو، نہ کوئی ظالم بادشاہ اس کی راہ میں حائل ہو اور نہ کوئی روکنے والی بیماری اسے لاحق ہو اور پھر بھی وہ حج کیے بغیر مر جائے تو وہ ایک مسلمان کی نہیں کسی یہودی یا نصرانی کی موت مرے گا۔

جامعیت:

حج جیسی عبادت میں باقی تمام عبادات کی روح شامل ہے۔ حج کے لیے روانگی سے واپسی تک دورانِ سفر نماز کے ذریعے قربِ خداوندی میسر آتا ہے۔ حج کے لیے مال خرچ کرنا زکوٰۃ سے مشابہت رکھتا ہے۔ نفسانی خواہشات اور اخلاقی برائیوں سے پرہیز اپنے اندر روزے کی سی کیفیت رکھتا ہے۔ گھر سے دوری اور سفر کی صعوبت میں جہاد کا رنگ ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا "سب سے افضل جہاد حج مبرور (مقبول) ہے" آپ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے اسی ارشادِ گرامی کے پیشِ نظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے "حج کا سامان تیار رکھو کہ یہ بھی ایک جہاد ہے۔"

زائرینِ خانہ کعبہ کی قلبی کیفیات:

اگر حج کے مناسک پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر ہر مرحلہ اپنے اندر اخلاقی و روحانی تربیت کا سامان رکھتا ہے۔ جب ایک شخص اپنے عزیز واقارب کو چھوڑ کر، دنیوی دلچسپیوں سے منہ موڑ کر اور دو اَن سلی چادریں اوڑھ کر "لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ" کی صدائیں بلند کرتے ہوئے بیت اللہ شریف میں حاضر ہوتا ہے تو اس کا یہ سفر ایک طرح سے سفرِ آخرت کا نمونہ بن جاتا ہے۔

اس دینی ماحول اور پاکیزہ فضا میں جب وہ مناسکِ حج ادا کرتا ہے تو اس کی حالت ہی عجیب ہوتی ہے۔ میدانِ عرفات کے قیام میں اسے وہ بشارت یاد آتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی صورت میں مسلمانوں پر اپنی نعمت کی تکمیل کا ذکر فرمایا ہے۔ اسے حضور اکرم خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے مبارک خطبے کی بے مثال ہدایات یاد آتی ہیں۔ اسے یہ حکم یاد آتا ہے کہ "میرے بعد گمراہی سے بچنے کے لیے قرآن اور حدیث کو مضبوطی سے تھامے رہنا۔" قربانی کرتے وقت حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی بے نظیر قربانیاں یاد آتی ہیں۔ وہ سوچتا ہے جملہ قربانیوں کے مقابلے میں نفس کی چھوٹی موٹی خواہشات کی قربانی کی حقیقت ہی کیا ہے؟ میرا تو مرنا جینا بھی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہونا چاہیے۔ ایسے میں اس کے لبوں پر یہ کلمات جاری ہوتے ہیں:

اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ

وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٦٣﴾ (سورۃ الانعام: 163-162)

ترجمہ: بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا ربّ ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں۔

Web Version of PCTB Textbook

مقام منیٰ میں وہ اس عزم کے ساتھ اپنے ازلی دشمن شیطان کو کنکریاں مارتا ہے کہ اب اگر یہ میرے اور میرے اللہ کے درمیان حائل ہونے کی کوشش کرے گا تو اسے پہچاننے میں غلطی نہیں کروں گا۔ جب وہ بیت اللہ کے سامنے پہنچتا ہے تو اس کی روح اس خیال سے وجد میں آ جاتی ہے کہ جس گھر کی زیارت کی تمنا تھی وہ آج نظر کے سامنے ہے۔ اللہ سے لو لگائے رکھنے کی یہ کیفیت حاجی کے کام آتی ہے۔ طواف کے بعد وہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتا ہے تو گویا زبانِ حال سے کہتا ہے کہ اے اللہ تیرے قُرب سے حاصل ہونے والی اس قوتِ ایمان کو میں تیرے دین کی سربلندی کے لیے وقف کر دوں گا اور عمر بھر حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کروں گا۔ دل کی یہی تمنّا دعا بن کر اس طرح لبوں تک آ جاتی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اسْتَعْمِلْنِيْ بِسُنَّةِ نَبِيِّكَ وَتَوَفَّنِيْ عَلٰى مِلَّتِهٖ وَاَعِذْنِيْ مِنْ مُّضِلَّاتِ النَّفْسِ

ترجمہ:۔ اے میرے اللہ! مجھے اپنے نبی خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے طریقے پر کار بند رکھ اور اُس پر عمل کرتے ہوئے مجھے اپنے پاس بلا لے۔ اور نفسانی لغزشوں سے مجھے محفوظ فرما دے۔

فوائد:

1۔ حج کا اصل فائدہ یادِ الٰہی اور اللہ تعالیٰ کا تقرب ہے۔ لیکن دیگر ارکانِ دین کی طرح اس کے بھی متعدد معاشرتی و اخلاقی فوائد ہیں۔ اس موقع پر دنیا کے مختلف علاقوں سے آنے والے افرادِ حج کی برکت سے گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے ساتھ ایمان اور تقویٰ کی پاکیزگی کی جو دولت لے کر لوٹتے ہیں وہ ان کے ماحول کی اصلاح کا سبب بھی بن جاتی ہے۔

2۔ حج کا یہ عظیم الشّان اجتماع ملّتِ اسلامیہ کی شان و شوکت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ جب دنیا کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے مسلمان، رنگ و نسل، قوم و وطن کے امتیازات سے بلند و بالا ہو کر ایک ہی کلمہ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ دہراتے ہیں۔ ایک ہی کیفیت میں سرشار اپنے رب کی پکار پر لپکے جا رہے ہوتے ہیں تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کے فدا کار سپاہیوں کی ایک فوج معلوم ہوتے ہیں۔

3۔ حج کا ایک اہم تجارتی اور اقتصادی فائدہ یہ بھی ہے کہ مختلف ممالک سے آنے والے حجاج خرید و فرخت کے ذریعے معاشی نفع حاصل کرتے ہیں۔

حجِ مقبول:

حج کے مذکورہ بالا اجتماعی و انفرادی فوائد سے ہم تب ہی متمتع ہو سکتے ہیں جب ہمارا مقصد رضائے الٰہی ہو۔ ہماری سرگرمیوں کا مرکز و محور دینِ حق کی سربلندی ہو اور حج کے روحانی مقاصد پر نظر جمی رہے۔ تبھی ہمارا حج، حجِ مقبول و مبرور ہو سکتا ہے۔

جہاد

جہاد:

جہاد کے لُغوی معنی کوشش کے ہیں اور دینی اصطلاح میں اس سے مراد وہ کوشش ہے جو دین کی حفاظت اور فروغ اور امت مسلمہ کے دفاع کے لیے کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کو اس دنیا کا حاکم مان لینے کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنی زندگی کے جملہ معاملات میں اس کے احکام کی

Web Version of PCTB Textbook

پیروی کرے۔ نیز اس کے مقابلے میں کسی اور کا حکم نہ چلنے دے۔ اگر کوئی طاقت "اقتدارِ اعلیٰ" اپنے ہاتھ میں لے کر اپنا قانون نافذ کرنا چاہے تو وہ جان پر کھیل کر اس کا مقابلہ کرے۔ اسلام کی جملہ عبادات انسان میں یہی جذبہ فداکاری پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں، اس جذبے کے بغیر نہ اسلام کی بقا ممکن ہے، نہ فروغ۔ جہاد کی چند اہم اقسام درج ذیل ہیں:

1۔خواہشِ نفس کے خلاف جہاد:

اطاعتِ الٰہی سے روکنے والی پہلی قوت انسان کی اپنی خواہشات ہیں۔ جو ہر وقت اس کے دل میں موجزن رہتی ہیں۔ اور اسے ان کی سرکوبی کے لیے ہر وقت چوکنا رہنا پڑتا ہے۔ لہٰذا خواہشاتِ نفس کے خلاف جہاد کو نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے "جہادِ اکبر" کا نام دیا ہے۔ اور یہ جہاد کا وہ مرحلہ ہے جسے سر کیے بغیر انسان جہاد کے کسی اور میدان میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔

2۔شیطان کے خلاف جہاد:

اپنے نفس پر قابو پا لینے کے بعد ان شیطانوں سے نمٹنا ضروری ہوتا ہے۔ جو اللہ کے بندوں کو اپنی اطاعت اور بندگی پر مجبور کر رہے ہوں۔ قرآن حکیم اس قسم کی ہر قوت کو طاغوت کا نام دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۚ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ (سورۃ النساء: 76)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔

یہ طاغوتی قوتیں مسلمان معاشرے کے اندر غلط رسم و رواج کی شکل میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اور اسلامی معاشرے کے باہر غیر اسلامی ممالک کے غلبے کی شکل میں بھی۔ چنانچہ ان طاغوتی طاقتوں سے نمٹنے کے طریقے بھی مختلف ہیں۔ کہیں ان سے زبان و قلم کے ذریعے نمٹا جاتا ہے۔ اور کہیں قوت و طاقت کے ذریعے۔ اس بارے میں قرآن مجید ایک جامع ہدایت دیتا ہے۔

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ (سورۃ النحل: 125) ترجمہ: اور اُن سے اُس طریقہ سے بحث کیجیے جو بہترین ہو۔

اگر جہاد کا سچا جذبہ دل میں موجزن ہو تو مومنانہ بصیرت ہر موقع پر مناسب راہیں سجھا دیتی ہے۔ اس سلسلے میں نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا یہ فرمان بہترین رہنمائی کرتا ہے۔

مَنْ رَّاٰی مِنْکُمْ مُّنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ
وَ ذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ (مسلم)

ترجمہ: تم میں سے جو کوئی بدی کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے (قوت سے) روکے۔ اگر اس کی قدرت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اور اگر اس کی بھی قدرت نہ رکھتا ہو تو اسے دل سے برا سمجھے (اور یہ بدی کو محض دل سے برا سمجھنا) ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

3۔ جہاد بالسّیف:

حق و باطل کی کشمکش میں وہ مقام آ کر رہتا ہے جب طاغوتی قوتیں حق کا راستہ روکنے اور اسے مٹانے کے لیے سرد جنگ سے آگے بڑھ

Web Version of PCTB Textbook

کر کھلی جنگ پر اتر آتی ہیں اور مسلمانوں کو ملّی تحفظ اور بقائے دین کے لیے ان سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے۔ اس کی دو اقسام ہیں:

(ا) مدافعانہ جہاد:

اگر کوئی غیر مسلم قوت کسی مسلمان ملک پر حملہ کر دے تو اس مُلک کے مسلمانوں پر اپنے دین وایمان، جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی خاطر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ مسلمان ممالک اور اسلامی معاشرے کو غیر مسلموں کے تسلّط سے محفوظ رکھنے کے سلسلے میں جو بھی کوشش کی جائے گی وہ جہاد شمار ہو گی۔ مدافعانہ جہاد کی ایک قسم یہ ہے کہ اگر کسی غیر مسلم ریاست کی مسلمان رعایا پر محض اس کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ظلم وستم ڈھایا جا رہا ہے تو عالمِ اسلام اسے ظلم وستم سے نجات دلانے کی ہر ممکن کوشش کرے۔

(ب) مصلحانہ جہاد:

جو شخص کلمہ طیبہ پڑھ کر اللہ کی حاکمیت اور نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی اطاعت کا اقرار کرتا ہے اس پر لازم آتا ہے کہ وہ ساری دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی شریعت نافذ کرنے کے لیے کوشاں رہے۔ اللہ تعالیٰ نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی بعثت کا ایک اہم مقصد دینِ حق کا قیام بتاتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝٣٣ (سورۃ التوبہ:33)

ترجمہ: وہی ہے (اللہ) جس نے اپنے رسول (خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ) کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اُسے ہر دین پر غالب کر دے خواہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

مزید برآں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ (سورۃ الانفال:39)

ترجمہ: اور (مسلمانو!) اُن (کافروں) سے لڑتے رہو یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے۔

جنگ اور جہاد:

مخالفینِ اسلام ہمارے دین کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ یہ دین تلوار کے زور سے پھیلا، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں۔ مسلمان کی تلوار اور کافر کی شمشیر، دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ کافر کی جنگ کا مقصد کسی مخصوص فرد، گروہ یا قوم کی ہوسِ ملک گیری، جذبہ برتری یا معاشی غلبے کے جذبے کی تسکین ہوتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ ہر ممکن ظلم، دہشت گردی اور سفاکی سے کام لیتا ہے اور کامیاب ہو جانے کی صورت میں مفتوحین کی جان و مال اور عزت و آبرو، ہر چیز کو غارت کر دیتا ہے۔ اس کے برعکس مسلمان کے جہاد کا مقصد انسانوں کو طاغوتی قوتوں کے غلبے سے نجات دلانا، ان کے شرف اور ان کی آزادی کو بحال کرنا ہے۔ اس مقصد کے لیے وہ خود کو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ضابطہ جنگ کا پابند رکھتا ہے۔ جس میں اس کی ذاتی منفعت کا شائبہ تک شامل نہیں ہوتا۔ اس کی تلوار کی زد محض برسرِ جنگ افراد تک محدود رہتی ہے اور پھر جب وہ فتح حاصل کرتا ہے تو مفتوح قوم کو اپنے جذبۂ انتقام کا نشانہ بنانے کی بجائے ان کے لیے امن وسلامتی کی فضا فراہم کرتا ہے اور انھیں اسلام کی ان برکات سے بہرہ ور کرتا ہے جس میں بحیثیتِ انسان تمام انسانوں کے حقوق یکساں ہیں۔ چنانچہ جب غیر مسلم رعایا کو مسلمانوں کا نظامِ عدل، نظامِ اخلاق، نظامِ سیاست وحکومت اور نظامِ عبادات پسند آجاتا ہے تو وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاتے ہیں اور ان کی اس ذہنی تبدیلی کا سہرا تلوار کے سر نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات اور مجاہدینِ اسلام کے اعلیٰ کردار کے سر ہے۔ تلوار کا کام تو صرف اتنا ہے کہ اسلام کے

Web Version of PCTB Textbook

عادلانہ نظام اور عالمِ اسلام کے درمیان جو لادینی قوتیں رکاوٹ بنی پڑی ہوں ان کا صفایا کردے۔

جہاد کے فضائل:

قرآنِ حکیم اور کتبِ احادیث میں جہاد کے متعدد فضائل بیان ہوئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿۴﴾ (سورۃ الصّف: 4)

ترجمہ: بے شک اللہ اُن سے محبت کرتا ہے جو اُس کی راہ میں صف باندھ کر قتال کرتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔

حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے "قسم ہے اللہ کی جس کی مٹھی میں محمد کی جان ہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے ایک صبح یا ایک شام کا سفر دنیا و مافیہا کی نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ اور اللہ کی راہ میں دشمن کے مقابل آ کر ٹھہرے رہنے کا ثواب گھر میں ستر نمازوں سے زیادہ ہے" بلا شبہ یہ جہاد کی عظمت اور شہادت کی تڑپ ہی کا جذبہ تھا کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمان دنیا پر چھائے رہے اور پورے کرۂ ارض پر ان کی عظمت و شوکت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی محبت و اطاعت

اللہ تعالیٰ کے احسانات:

اللہ تعالیٰ نے ہمیں صرف زندگی ہی نہیں دی بلکہ زندگی بسر کرنے کے تمام لوازمات بھی عطا فرمائے ہیں۔ اس کی عنایات کا شمار اور اس کے کرم کا حساب ممکن نہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ (سورۃ ابراہیم: 34) ترجمہ: اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو اُنھیں شمار نہیں کر سکو گے۔

کیسے ممکن ہے کہ نعمتوں کی یہ کثرت و فراوانی انسان کے دل میں اپنے رحیم و کریم آقا کے لیے وہ جذبہ محبت و احسان مندی نہ پیدا کرے جس کے بارے میں قرآن حکیم کہتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ (سورۃ البقرۃ: 165)

ترجمہ: اور جو ایمان لائے ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے احسانات:

اللہ تعالیٰ کے بعد ہماری محبت کے مستحق حضرت محمد رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ ہیں۔ آپ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ ہی کی ذات بابرکات کے طفیل ہمیں اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت، دولتِ دین میسر آئی۔ آپ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے کہ اللہ کی راہ میں جس قدر تکالیف مجھے دی گئیں کسی اور نبی کو نہیں دی گئیں اور وہ سب تکالیف آپ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے اس غرض سے برداشت کیں کہ امت آخرت کی تکالیف سے بچ جائے۔ حضور اکرم خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی محبت کے بارے میں ارشاد نبوی خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ ہے:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسے اپنے والدین، اپنی اولاد اور دنیا کے تمام لوگوں سے زیادہ میں محبوب نہ ہو جاؤں۔

Web version of PCTB Textbook

شرطِ محبت۔ اطاعتِ رسول:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اطاعتِ رسول خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ (سورۃ آلِ عمران:31)

ترجمہ: (اے نبی خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ) فرما دیجیے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو تم میری پیروی کرو اللہ (بھی) تم سے محبت فرمائے گا۔

اور اطاعت کی یہ شرط کچھ ہمارے نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ قرآن حکیم کہتا ہے جتنے انبیاء بھی دنیا میں بھیجے گئے ان کی بعثت کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ لوگوں سے ان کی پیروی کرائی جائے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ (سورۃ النساء:64)

ترجمہ: اور ہم نے ہر رسول کو صرف اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اُس کی اطاعت کی جائے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حوضِ کوثر پر ایسے لوگوں کو حضور اکرم خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے دیدار سے محروم کر دیا جائے گا جنھوں نے مسلمان ہوتے ہوئے آپ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی پیروی کرنے کی بجائے دین میں نئی نئی باتیں نکال لی تھیں۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے:

كُلُّ اُمَّتِيْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰى قِيْلَ وَمَنْ اَبٰى؟ قَالَ مَنْ اَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ اَبٰى

ترجمہ: میرا ہر امتی جنت میں جائے گا سوائے اس کے جو انکار کر دے۔ عرض کیا گیا کہ انکار کرنے والا شخص کون ہوگا؟ ارشاد فرمایا جو شخص میری اطاعت کرے گا وہ جنت میں جائے گا اور جو میری نافرمانی کرے گا وہ انکار کرنے والا ہوگا۔

حُقُوقُ الْعِباد

معاشرتی زندگی میں اگر فرداً فرداً سب لوگوں کو ان کے جائز حقوق ملتے رہیں تو وہ سکون واطمینان کے ساتھ اپنی صلاحیتیں معاشرے کی ترقی کے لیے استعمال کر سکتے ہیں اور اس طرح خوشگوار ماحول بن سکتا ہے۔ جسے حسنِ معاشرت کہا جاسکتا ہے۔ جب کہ آپس میں ایک دوسرے کا حق مارنے کی روش بے چینی اور کشمکش پیدا کرتی ہے۔ اس سے معاشرے کا نظم بگڑتا ہے اور تخریبی رجحانات تعمیری صلاحیتوں کو مفلوج کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں انسان کو اپنی ہدایات سے محروم نہیں رکھا۔ اس نے انسانوں کے درمیان حقوق کا واضح تعین کر کے ان کی ادائیگی کو اپنی خوشنودی اور ادا نہ کرنے کو اپنی ناخوشی کا سزاوار ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ ایک سچا مسلمان حقوق العباد کو بھی حقوق اللہ ہی کی طرح محترم سمجھتا اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ حقوق العباد کو درج ذیل اہم حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1۔ والدین کے حقوق:

معاشرے میں انسان کو جن ہستیوں سے سب سے زیادہ مدد ملتی ہے وہ والدین ہیں جو محض اس کے وجود میں لانے کا ذریعہ ہی نہیں بنتے بلکہ اس کی پرورش اور تربیت کا بھی سامان کرتے ہیں۔ دنیا میں صرف والدین کی ہی ذات ہے جو اپنی راحت اولاد کی راحت پر قربان کر دیتی ہے۔ ان کی شفقت، اولاد کے لیے رحمتِ باری تعالیٰ کا وہ سائبان ثابت ہوتی ہے جو انھیں مشکلاتِ زمانہ کی دھوپ سے بچا کر پروان چڑھاتی ہے۔ انسانیت کا وجود اللہ کے بعد والدین ہی کا مرہونِ منت ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اپنے بعد انھی کا حق ادا

Web Version of PCTB Textbook

کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿٢٣﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿٢٤﴾ (سورۃ بنی اسرائیل:24-23)

ترجمہ: اور آپ کے ربّ نے حکم فرمایا کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو اگر تمھارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں اُن میں سے کوئی ایک یا دونوں تو اُنھیں اُف تک نہ کہنا اور نہ ہی اُنھیں جھڑکنا اور اُن سے اَدب سے بات کرنا۔ اور شفقت کرتے ہوئے ان کے سامنے عاجزی سے جھکے رہو اور دُعا کرتے رہو اے میرے ربّ! اِن دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انھوں نے مجھے بچپن میں پالا تھا۔

حضور اکرم خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ والدین کا نافرمان فرد جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔

نبی کریم خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے بوڑھے والدین کی خدمت پر بہت زور دیا ہے کیونکہ وہ اپنی زندگی کی صلاحیتیں اور توانائیاں اولاد پر صَرف کر چکے ہوتے ہیں۔ اس لیے اولاد کا فرض ہے کہ ان کے بڑھاپے کا سہارا بن کر احسان شناسی کا ثبوت دے۔ ایک بار آپ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی محفل میں ارشاد فرمایا: ''ذلیل وخوار ہوا، ذلیل وخوار ہوا، ذلیل وخوار ہوا'' صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے دریافت کیا کون؟ یارسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ! ارشاد فرمایا ''وہ جس نے اپنے ماں باپ کو یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا پھر ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کر لی۔''

2۔ اولاد کے حقوق:

حضور خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی تشریف آوری سے پہلے کی تاریخ پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ ایک زمانے میں انسان کی سنگ دلی اس درجے کو پہنچ گئی تھی کہ وہ اپنی اولاد کو قتل کر ڈالتا۔ اسلام نے انسان کے دل میں سوئے ہوئے جذبہ رحم و الفت کو جگایا تو دنیا سے قتلِ اولاد کی سنگدلانہ رسم مٹی اور اولاد کو اپنے والدین سے محبت و شفقت کی نعمت ایک بار پھر ملی۔ قرآن حکیم میں معاشرے کی دیگر برائیوں کے ساتھ قتلِ اولاد سے بھی ان الفاظ میں منع فرمایا:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿٣١﴾ (سورۃ بنی اسرائیل:31)

ترجمہ: اور اپنی اولاد کو تنگ دستی کے خوف سے قتل نہ کرو ہم اُنھیں رزق عطا فرماتے ہیں اور تمھیں بھی بے شک ان کا قتل بہت بڑا گناہ ہے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! سب سے بڑا گناہ کون سا ہے۔ آپ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا ''شرک'' انھوں نے دریافت کیا ''اس کے بعد'' آپ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا ''والدین کی نافرمانی'' عرض کیا ''اس کے بعد'' ارشاد ہوا! ''تم اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالو کہ وہ تمھارے کھانے میں حصہ بٹائے گی''

تعلیماتِ اسلامی کے تحت والدین پر اولاد کے متعدد حقوق عائد ہوتے ہیں مثلاً:

(1) زندگی کا حق (2) بنیادی ضروریات کی فراہمی، یعنی کھانے پینے، رہائش اور علاج کا حق (3) حسبِ مقدور تعلیم و تربیت کا حق۔

Web Version of PCTB Textbook

اگر والدین یہ جملہ حقوق بحسن وخوبی ادا کرتے رہیں تو نہ صرف یہ کہ انھیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ ان کی اولاد ان کے بڑھاپے کا سہارا بنتی ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ اولاد کے حقوق کی ادائیگی پر اپنے آرام وآسائش کو مقدّم رکھتے ہیں ان کی اولاد ان کی آخری عمر میں انھیں بے سہارا چھوڑ دیتی ہے۔ والدین کا فرض ہے کہ جہاں وہ اپنی اولاد کو روزی کمانے کے قابل بنانے کی تدبیر کرتے ہیں وہاں ان میں فکرِ آخرت بھی پیدا کریں اور عملِ صالح کی تربیت دیں۔ اللہ تعالیٰ نے والدین کی ذمہ داری کو بڑے بلیغ انداز میں بیان فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (سورۃ التحریم:6)

ترجمہ: اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔

بلاشبہ اگر والدین اللہ اور اس کے رسول خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے احکام کے مطابق اپنی اولاد کے حقوق بطریقِ احسن ادا کریں اور اسے نیکی کی راہ پر لگائیں تو نہ صرف یہ کہ وہ دنیا میں ان کی راحت کا سامان بنے گی بلکہ آخرت میں بھی ان کی بخشش کا ذریعہ بنے گی۔

3۔ میاں بیوی کے باہمی حقوق:

معاشرے کی بنیادی اکائی گھر ہے، اور گھر کے سکون اور خوشحالی کا انحصار میاں بیوی کے خوشگوار تعلقات پر ہے۔ اس کی عمدگی محض دو افراد ہی کی نہیں بلکہ دو خاندانوں کی شادمانیوں کا سبب بنتی ہے۔ اگر ان کے تعلقات میں بگاڑ پیدا ہو جائے تو یہ صورت حال بہت سے رشتوں کو کمزور کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زَوجین کے حقوق کا تعین فرماتے ہوئے ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ (سورۃ البقرۃ:228)

ترجمہ: اور اُن کے بھی حقوق (مَردوں پر) ہیں جیسے اُن پر (مَردوں کے) حقوق ہیں (شرعی) دستور کے مطابق البتہ مَردوں کو عورتوں پر برتری حاصل ہے۔

لیکن یہ درجہ محض گھر کا انتظام ایک زیادہ باہمت، حوصلہ مند اور قوی شخصیت کے سپرد کرنے کے لیے ہے۔ عورتوں پر ظلم روا رکھنے کے لیے نہیں۔ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس نے خواتین کا شرف بحال کیا اور مردوں کو ان پر حکومت کا اختیار دینے کی بجائے ان کی حفاظت کی ذمہ داری سپرد کی اور تلقین کی کہ بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ نبی کریم خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک کو خیر اور اچھائی کا معیار بتایا۔ ارشاد ہوا:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ   ترجمہ: تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا ہے۔

ایک بار ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ سے دریافت کیا "یا رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ! بیوی کا اپنے شوہر پر کیا حق ہے؟ آپ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا جو خود کھائے اسے کھلائے، جیسا خود پہنے ویسا اسے پہنائے نہ اس کے منہ پر تھپڑ مارے، نہ اسے برا بھلا کہے" آپ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کو بیویوں کے حقوق کا اتنا خیال تھا کہ خطبہ حجۃ الوداع میں ان سے حسنِ سلوک کی تلقین فرمائی۔ دوسری جانب اللہ تعالیٰ نے نیک بیویوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ (سورۃ النساء:34)

ترجمہ: پس نیک عورتیں (اپنے شوہروں کی) فرماں بردار ہوتی ہیں (شوہروں کی) غیر حاضری میں (ان کے حقوق کی) حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔

جہاں مرد کو منتظمِ اعلیٰ کی حیثیت سے بیوی بچوں کی کفالت اور حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی وہاں عورتوں کو پابند کیا گیا کہ وہ مردوں کی وفادار اور اطاعت گزار بن کر رہیں۔ ایک مسلمان بیوی کے لیے شوہر کی جو حیثیت ہوتی ہے اس کا اندازہ نبی کریم خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ

Web Version of PCTB Textbook

کے اس ارشادِ گرامی سے ہوتا ہے۔ ''اگر میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو سجدے کا حکم دیتا تو بیوی سے کہتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔'' ساتھ ہی شوہر کو نصیحت کی گئی ہے کہ اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بیوی پر سختی نہ کرے۔ بلکہ اگر اس میں کچھ خامیاں بھی پائی جاتی ہوں تو درگزر کرے اور اس کی خوبیوں کی قدر کرے۔ اس بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝١٩ (سورۃ النساء: 19)

ترجمہ: اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا برتاؤ کرو پھر اگر تم اُنھیں ناپسند کرو تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ نے اُس میں کوئی بہت بڑی بھلائی رکھ دی ہو۔

اس بات کی تصریح نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی ایک حدیث مبارک سے ہوتی ہے جس میں آپ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا ''اپنی بیوی میں کوئی برائی دیکھ کر ان سے نفرت نہ کرنے لگ جاؤ۔ اگر تم غور کرو گے تو تمھیں ان میں کوئی اچھائی بھی ضرور نظر آ جائے گی۔''

4۔ رشتہ داروں کے حقوق:

والدین، اولاد اور شریکِ حیات (بیوی) کے حقوق کے بعد، اسلام رشتہ داروں کے حقوق پر زور دیتا ہے۔ کیونکہ معاشرتی زندگی میں انسان کا واسطہ اہلِ خانہ کے بعد سب سے زیادہ انھی سے پڑتا ہے۔ اگر خاندان کے افراد ایک دوسرے کے حقوق اچھے طریقے سے ادا کرتے رہیں تو پورے خاندان میں محبت اور اپنائیت کی فضا قائم ہوگی اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو نفرت اور دوری پیدا ہو جائے گی۔ اور آئے دن کے جھگڑوں سے خاندان کا سکون برباد ہو کر رہ جائے گا۔ قرآن و حدیث دونوں میں صلہ رحمی یعنی رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کی بار بار تلقین کی گئی۔ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ (سورۃ بنی اسرائیل: 26) ترجمہ: اور رشتہ دار کو اُس کا حق ادا کرو۔

نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ ترجمہ: رشتہ داروں سے تعلق توڑنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے ضرورت مند رشتہ داروں کی ضروریات کا خیال رکھیں، تاکہ انھیں غیروں کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ تلقین کی گئی ہے کہ جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کریں اس میں ترجیح اپنے رشتہ داروں کو دیں اور پھر ان کے ساتھ جو سلوک کریں اس پر انھیں طعنے دے کر اپنا اجر و ثواب برباد نہ کریں۔ انھیں احساسِ تنہائی اور احساسِ کمتری کا شکار نہ ہونے دیں۔ ان کی خوشی اور غم میں شریک ہوں۔ رشتے داروں کے ذریعے امداد کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسان کی عزتِ نفس مجروح نہیں ہوتی اور کام نکل جاتا ہے۔ جبکہ غیروں سے مدد طلب کرنے میں اپنی ہی نہیں، خاندان کی عزت بھی گھٹتی ہے۔ اگر ہم میں سے ہر شخص اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی ہدایات کے مطابق اپنے رشتہ داروں کے حقوق کا خیال رکھے تو معاشرہ بہت سی خرابیوں سے محفوظ ہو جائے گا۔

5۔ اساتذہ کے حقوق:

اسلام نے جہاں مسلمانوں پر حصولِ علم کو فرض قرار دیا وہاں استاد کو بھی معزز ترین مقام عطا کیا تاکہ اس کی وجاہت سے علم کا وقار بڑھے اور علم سے انسانیت کا۔ استاد کا یہ اعزاز کیا کم ہے کہ اسے اس پیشے کی وجہ سے نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ سے ایک خصوصی نسبت

Web version of PCTB Textbook

حاصل ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے۔

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا ترجمہ: مجھے تو معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہے۔

استاد نئی نسل کی صحیح نشوونما کر کے اس کے فکر و عمل کی اصلاح کرتے ہیں۔ نئی نسل انھی کے فراہم کردہ سانچوں میں ڈھلتی ہے۔ استاد کے اعزاز و احترام کے بارے میں حضور خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: "تیرے تین باپ ہیں، ایک وہ جو تجھے عدم سے وجود میں لایا، دوسرا وہ جس نے تجھے اپنی بیٹی دی، تیسرا وہ جس نے تجھے علم کی دولت سے مالا مال کیا۔"

معلم کی حیثیت "علم کی بارش" کی سی ہوتی ہے اور طلبہ کی "زمین" کی سی۔ جو زمین بارش کو جذب کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے وہ بارش کے فیض سے سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ یہ حوصلہ اور ظرف بھی والدین کے علاوہ استاد کا ہوتا ہے کہ وہ اپنے شاگرد کو خود سے آگے بڑھتے دیکھ کر حسد کرنے کی بجائے خوش ہوتا ہے۔ کیونکہ حقیقت میں وہ اپنے طلبہ کی کامیابیوں کو اپنی ہی کامیابیاں سمجھتا ہے۔ مسلمانوں میں استاد کی احسان شناسی اور احترام کا اندازہ کچھ اس رواج سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ شاگرد استاد کے نام کو اپنے نام کا حصہ بنا لیتے تھے، اس طرح لائق شاگردوں کے ذریعے استاد کا نام زندہ رہتا تھا۔

6۔ ہمسایوں کے حقوق:

انسان کی روزمرہ کی زندگی میں اپنے ہمسایوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ چنانچہ اسلام میں پڑوسیوں کے حقوق پر بڑا زور دیا گیا ہے اور تین قسم کے پڑوسیوں سے حسنِ سلوک کی خصوصی تلقین فرمائی گئی ہے۔

اول: وہ پڑوسی جو رشتے دار بھی ہوں۔

دوم: غیر رشتے دار پڑوسی (خواہ وہ غیر مسلم ہوں۔)

سوم: جن سے عارضی تعلقات قائم ہو جائیں۔ مثلاً ہم پیشہ، ہم جماعت یا شریکِ سفر افراد وغیرہ۔

ہمسایوں کے حقوق کے بارے میں متعدد احادیث روایت کی گئی ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

(ا) وہ شخص مومن نہیں جو اپنے ہمسائے کی بھوک سے بے نیاز ہو کر شکم سیر ہو۔

(ب) تم میں سے افضل شخص وہ ہے جو اپنے ہمسائے کے حق میں بہتر ہے۔

(ج) اگر پڑوسی کو مدد کی ضرورت پڑے تو اس کی مدد کرو، قرض مانگے تو دو، محتاج ہو جائے تو اس کی مالی امداد کرو، بیمار پڑ جائے تو علاج کرواؤ، اور مر جائے تو جنازے کے ساتھ قبرستان جاؤ اور اس کے بچوں کی دیکھ بھال کرو۔ اگر اسے کوئی اعزاز حاصل ہو تو اسے مبارک باد دو۔ اگر مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو اس سے ہمدردی کرو۔ بغیر اجازت اپنی دیوار اتنی اونچی نہ کرو کہ اس کے لیے روشنی اور ہوا رک جائے۔ کوئی میوہ یا سوغات وغیرہ لاؤ تو اسے بھی بھیجو۔

(د) حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں اتنی شدت سے تاکید فرماتے تھے کہ ہم سوچنے لگتے کہ شاید میراث میں بھی پڑوسیوں کا حصہ رکھ دیا جائے گا۔

Web Version of PCTB Textbook

(ہ) ایک بار آپ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی محفل میں ایک عورت کا ذکر آیا کہ وہ بڑی عبادت گزار اور پرہیز گار ہے۔ دن میں روزے رکھتی ہے۔ اور رات کو تہجد ادا کرتی ہے۔ لیکن پڑوسیوں کو تنگ کرتی ہے۔ آپ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا۔ ''وہ دوزخی ہے'' اور ایک دوسری عورت کے بارے میں عرض کیا گیا کہ وہ صرف فرائض (عبادات) ادا کرتی ہے لیکن ہمسایوں کے حقوق کا خیال رکھتی ہے حضور خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا ''وہ جنتی ہے''

7۔ غیر مسلموں کے حقوق:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس بات کی صراحت فرما دی ہے کہ کافر اور مشرک ہرگز ہرگز مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے۔ لیکن اس کے باوجود غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی ہدایت کی ہے۔ یہ صرف اسلام کی خوبی ہے کہ وہ غیر مسلموں کو مسلمانوں کے سے شہری حقوق عطا کرتا ہے۔ اور مسلمانوں کو تلقین کرتا ہے کہ وہ ان سے شفقت آمیز برتاؤ کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ؗ (سورۃ المائدۃ:8)

ترجمہ: اور تمھیں کسی قوم کی دشمنی ہرگز آمادہ نہ کرے اِس پر کہ تم عدل نہ کرو عدل کیا کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

اسلام چاہتا ہے کہ اس کے پیروکار غیر مسلموں سے ویسا ہی برتاؤ کریں جیسا ایک ڈاکٹر مریض سے کرتا ہے۔ اسی حسنِ سلوک سے مسلمانوں نے ہمیشہ غیر مسلم اقوام کے دل جیت لیے۔

معاشرتی ذمہ داریاں

(ا) محاسن اخلاق

اسلام انسانی معاشرے کو خوش حال دیکھنا چاہتا ہے۔ اس لیے اس نے اخلاقِ حسنہ کو بڑی اہمیت دی ہے اور مسلمانوں کے لیے اخلاقی قدروں کی پاسداری کو مذہبی فریضہ قرار دیا۔ اس سلسلے میں چند محاسنِ اخلاق کا ذکر درج ذیل ہے۔

1۔ دیانت داری:

معاشی اور معاشرتی تعلقات کی استواری کے لیے دیانت ایک بنیادی شرط ہے۔ جس معاشرے سے دیانت داری ختم ہو جائے وہاں کاروباری معاملات سے لے کر گھریلو تعلقات تک ہر جگہ ناقابلِ اصلاح بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک دوسرے پر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ اسلام اپنے نام لیواؤں کو ان تمام نقصانات سے بچانے کے لیے دیانتداری کی تلقین کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهْلِهَا ۙ (سورۃ النساء: 58)

ترجمہ: بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اُن کے حق داروں کو سپرد کرو۔

نیز جہاں دنیا و آخرت کی فلاح حاصل کرنے والوں کی دیگر صفات بتائی گئی ہیں وہاں یہ بھی فرمایا گیا ہے:

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۟ۙ ﴿۸﴾ (سورۃ المومنون:8)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدہ کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

Web Version of PCTB Textbook

نبی اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کے بارے میں کون نہیں جانتا کہ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم منصبِ نبوت پر سرفراز ہونے سے قبل بھی عرب کے بد دیانت معاشرے میں ''الامین'' یعنی دیانت دار کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کے احساسِ دیانت کا یہ عالم تھا کہ مدینے ہجرت کرتے وقت بھی ان لوگوں کی امانتوں کی ادائیگی کا اہتمام فرمایا جو آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کے قتل کے درپے تھے۔ اسلام نے دیانت کے مفہوم کو محض تجارتی کاروبار تک محدود نہیں رکھا بلکہ وسعت دے کر جملہ حقوق العباد کی ادائیگی کو دیانت کے دائرے میں شامل کر دیا۔ نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''محفل میں کی جانے والی باتیں بھی امانت ہیں''، یعنی ایک جگہ کوئی بات سن کر دوسری جگہ جا سنانا بھی بد دیانتی میں داخل ہے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر مسلمانوں کو تلقین کی گئی کہ وہ اپنی تمام جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی امانتیں سمجھیں، اور ان سب کو اس احساس کے ساتھ استعمال کریں کہ ایک روز اللہ تعالیٰ کو ان کا حساب دینا ہے۔ دیانت کی اس تعریف کے پیشِ نظر ناممکن ہے کہ کوئی شخص مسلمان بھی ہو اور بد دیانت بھی۔ اسی لیے حضور اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا:

''جس میں دیانت نہیں اس میں ایمان نہیں''

Web Version of PCTB Textbook

2۔ ایفائے عہد:

انسانوں کے باہمی تعلقات میں ایفائے عہد یعنی وعدہ پورا کرنے کو جو اہمیت حاصل ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ ہمارے اکثر معاملات کی بنیاد وعدوں پر ہوتی ہے۔ وہ پورے ہوتے رہیں تو معاملات ٹھیک رہتے ہیں۔ اگر ان کی خلاف ورزی شروع ہو جائے تو سارے معاملات بگڑ جاتے ہیں۔ اسی بگاڑ سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لیے اسلام ایفائے عہد کی تلقین کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝۳۴ (سورۃ بنی اسرائیل: 34)

ترجمہ: اور عہد کو پورا کرو بے شک عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

انسان کے تمام وعدوں میں اہم ترین عہد وہ ہے جو اس نے یومِ ازل سے بندگی کے معاملے میں اپنے خالق سے کیا ہوا ہے۔ قرآنِ عظیم نے اس کی یاد دہانی اس انداز سے کرائی ہے:

وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۱۵۲ (سورۃ الانعام: 152)

ترجمہ: اور اللہ سے کیے ہوئے وعدے کو پورا کرو یہ ہیں (وہ باتیں) جن کی اللہ تمھیں وصیت فرماتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

ایک اور مقام پر باہمی معاہدوں اور اجتماعی رشتوں کی پاسداری کا لحاظ رکھنے کی ہدایت اس طرح فرمائی گئی:

الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ لَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝۲۰ وَ الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ (سورۃ الرّعد: 21-20)

ترجمہ: وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور جو پختہ عہد کو نہیں توڑتے۔ اور وہ لوگ ان (رشتوں) کو جوڑتے ہیں جس کے متعلق اللہ نے حکم فرمایا ہے کہ اُسے جوڑا جائے۔

نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم نے سخت سے سخت حالات میں بھی عہد کی پابندی فرمائی۔ مثلاً جب صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے آپ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے اپنے جسم کے داغ دکھائے کہ اہل مکہ نے انھیں مسلمان ہو جانے پر کتنی اذیت دی ہے اور درخواست کی کہ انھیں مدینہ ساتھ لے جایا جائے تو

آپ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے اس شفقت کے باوصف جو آپ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کو مسلمانوں سے تھی انھیں اپنے ہمراہ مدینے لے جانے سے محض اس لیے انکار کر دیا کہ قریش سے معاہدہ ہو چکا تھا کہ مکہ سے بھاگ کر آنے والے مسلمانوں کو مدینہ سے لوٹا دیا جائے گا۔ حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کی دردناک حالت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے لیے بے قراری کا باعث تھی۔ لیکن صلح نامہ حدیبیہ کی پاسداری کے پیشِ نظر سب نے صبر وتحمل سے کام لیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ اپنے خطبوں میں اکثر یہ بات فرماتے تھے:

لَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ ترجمہ: جسے وعدے کا پاس نہیں اس میں دین نہیں۔

ہمارے لین دین کے جملہ معاملات اور باہمی حقوق ایفائے عہد ہی کے ذیل میں آتے ہیں۔ اس لیے دین داری کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان سب کی پاسداری کریں۔

3۔ سچائی:

سچائی ایک ایسی عالمگیر حقیقت ہے جسے تسلیم کیے بغیر انسان سکھ چین کا سانس نہیں لے سکتا۔ نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے اس بات کو نہایت جامعیت کے ساتھ یوں ارشاد فرمایا:

اِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِیْ اِلَى الْبِرِّ وَاِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِیْ اِلَى الْفُجُوْرِ (متفق علیہ)

ترجمہ: بے شک سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور جھوٹ نافرمانی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

قرآن کریم میں باری تعالیٰ نے اپنے صادق القول ہونے کا ذکر فرمایا۔ مثلاً

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝ (سورۃ النساء: 87) ترجمہ: اور کون ہے جو اللہ سے زیادہ بات کا سچا ہو؟

اسی طرح قرآنِ حکیم میں انبیاء کی اس صفت کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے کہ وہ راست گفتار تھے۔ سچائی کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔ تمام انبیاء نے وہیں سے سچائی حاصل کی اور دنیا میں پھیلائی۔ اس سچائی سے انکار کرنے والا زندگی کے ہر معاملے میں جھوٹ اور باطل کی پیروی کرتا ہے اور ہلاک ہو کر رہتا ہے۔ اردو میں ہم سچ کا لفظ محض گفتگو کے تعلق سے استعمال کرتے ہیں لیکن قرآن مجید میں اس کے مفہوم میں قول کے ساتھ عمل اور خیال تک کی سچائی شامل ہے۔ یعنی صادق وہ ہے جو نہ صرف زبان ہی سے سچ بولے۔ بلکہ اس کے فکر و عمل میں بھی سچائی رچی بسی ہو۔

4۔ عدل وانصاف:

عدل وانصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کا جائز حق با آسانی مل جائے۔ نظامِ عدل کی موجودگی میں معاشرے کے امور بخیر وخوبی سرانجام پاتے ہیں اور بے انصافی کی وجہ سے معاشرے کا ہر شعبہ مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔ بعثتِ نبوی سے قبل دنیا عدل وانصاف کے تصور سے خالی ہو چکی تھی۔ طاقتور ظلم وستم کو اپنا حق سمجھنے لگے تھے اور کمزور اپنی مظلومیت کو مقدر سمجھ کر برداشت کرنے پر مجبور تھے۔ دینِ اسلام کے طفیل ظلم وستم کا یہ کاروبار بند ہوا اور دنیا عدل وانصاف کے اس اعلیٰ معیار سے آشنا ہوئی جس نے رنگ ونسل اور قوم ووطن کے امتیازات کو مٹا کر رکھ دیا۔ ناانصافی کی بنا پر انسانوں کے مختلف طبقوں اور گروہوں کے درمیان نفرت کی جو دیوار کھڑی ہو گئی تھی اسلام نے اسے گرا کر انسان کو انسان کے شانہ بشانہ لا کھڑا کیا۔ اس طرح لوگوں کے درمیان انس ومحبت کا وہ رشتہ استوار ہوا جو انسان کے لیے

Web Version of PCTB Textbook

سرمایۂ افتخار ہے۔ اسلام وہ دین ہے جس نے عدل وانصاف کے معاملے میں بلا امتیاز تمام نسلِ انسانی کے درمیان مساوات قائم کرنے کا حکم دیا۔قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۚ اِعْدِلُوْا ۖ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ (سورۃ المائدۃ: 8)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف کے ساتھ گواہی دیتے ہوئے مضبوطی سے قائم رہنے والے ہو جاؤ اور تمھیں کسی قوم کی دشمنی ہرگز آمادہ نہ کرے اِس پر کہ تم عدل نہ کرو عدل کیا کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

رنگ و نسل کی طرح اسلام کے تصورِ عدل میں کسی کے اعلیٰ منصب اور مرتبے کی کوئی اہمیت نہیں۔ نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے وہ ارشادات آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں جو آپ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے قبیلہ بنی مخزوم کی فاطمہ نامی خاتون کی چوری سے متعلق سزا کی معافی کی سفارش سن کر ارشاد فرمائے۔ آپ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا۔ ''تم سے پہلے قومیں اسی سبب سے برباد ہوئیں کہ ان کے چھوٹوں کو سزا دی جاتی تھی اور بڑوں کو معاف کر دیا جاتا تھا۔ خدا کی قسم! اگر فاطمہ رضی اللہ عنہ بنت محمد خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا''

اسلامی حکومت کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ اس نے اپنے باشندوں کو ہمیشہ بے لوث انصاف فراہم کیا ہے اور حقیقت میں اسلامی حکومت کا اصل مقصد ہی نظامِ عدل کا قیام ہے۔ اس لیے نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے سُلطانِ عادل کو اللہ کا سایہ قرار دیا۔

5۔ احترامِ قانون:

جس طرح قدرت کا نظام چند فطری قوانین کا پابند ہے۔ اسی طرح معاشرے کا قیام و دوام، معاشرتی، اخلاقی اور دینی احکام و قوانین پر موقوف ہے۔ یوں تو دنیا کا کم عقل سے کم عقل انسان بھی قانون کی ضرورت، اس کی پابندی اور اہمیت کا اعتراف کرے گا۔ لیکن کم لوگ ایسے ہیں جو عملاً قانون کے تقاضے پورے کرتے ہوں۔ عصرِ حاضر میں دو افراد کے باہمی معاملات سے لے کر بین الاقوامی تعلقات تک لوگ ضابطے اور قانون کی پابندی سے گریزاں ہیں۔ اور لاقانونیت کے اس رجحان نے دنیا کا امن وسکون غارت کر دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ انسان قانون کی افادیت کا قائل ہونے کے باوجود اس کی خلاف ورزی کیوں کرتا ہے؟ اس کی دو اہم وجوہ ہیں:

1۔ خود غرضی اور مفاد پرستی۔

2۔ اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھنا۔

اسلام ان دونوں وجوہ کا بخوبی تدارک کر کے مسلمانوں کو قانون کا پابند بناتا ہے۔ ایک طرف وہ انھیں اللہ کی پرستش اور ایثار و سخاوت کا درس دیتا ہے تو دوسری طرف ان میں آخرت کی جواب دہی کا احساس و شعور پیدا کرتا ہے۔ اسلام انھیں احساس دلاتا ہے کہ وہ اپنے اثر و رسوخ یا دھوکے فریب سے دنیا میں قانون کی خلاف ورزی کی سزا سے بچ بھی گئے آخرت میں انھیں اللہ کی گرفت سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ آخرت میں جواب دہی کا یہی احساس اسلامی معاشرے کے گناہ میں ملوث ہو جانے والے افراد کو از خود عدالت میں جانے پر مجبور کرتا ہے اور وہ اصرار کرتے ہیں کہ انھیں دنیا میں سزا دے کر پاک کر دیا جائے تاکہ وہ آخرت کی سزا سے بچ جائیں۔

Web Version of PCTB Textbook

لوگوں کے دلوں میں قانون کے احترام کا سچا جذبہ پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ خود حکمران طبقہ بھی قانون کی پاسبانی کرے اور اپنے اثر ورسوخ کو قانون کی زد سے بچنے کا ذریعہ نہ بنائے۔ آج دنیا میں قانون کے سامنے سب کے برابر ہونے کا چرچا تو بہت ہے۔ لیکن دنیا کا شاید ہی کوئی دستور یا آئین ایسا ہو جس میں حکمران طبقے کو مخصوص مراعات مہیا نہ کی گئی ہوں اور قانون میں آقا و غلام اور شاہ و گدا کا کوئی امتیاز نہ ہو۔ اسلامی تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ گم ہو گئی اور ایک یہودی سے ملی۔ خود خلیفۂ وقت ہونے کے باوصف آپؓ اسے قاضی کی عدالت میں لے گئے اور جب قاضی نے آپؓ کے بیٹے اور غلام دونوں کی گواہی ان سے قریبی تعلق کی بنا پر قبول کرنے سے انکار کر دیا تو آپ رضی اللہ عنہ اپنے دعویٰ سے دستبردار ہو گئے۔ احترامِ قانون کی اس مثال نے یہودی کو اتنا متاثر کیا کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

6۔ کسبِ حلال:

کسب حلال کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا (سورۃ المومنون:51)

ترجمہ: اے رسولو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو۔

اسی طرح تمام انسانوں کو تلقین فرمائی گئی:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا (سورۃ البقرۃ:168)

ترجمہ: اے لوگو! اُن (چیزوں) میں سے کھاؤ جو زمین میں حلال (اور) پاکیزہ ہیں۔

مزید برآں مسلمانوں کو خصوصی تاکید کی گئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ (سورۃ البقرۃ:172)

ترجمہ: اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمھیں عطا کی ہیں۔

اسلام میں عبادات اور معاملات کے ضمن میں کسبِ حلال کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ اس لیے عبادات کی مقبولیت کے لیے کسبِ حلال کو لازمی شرط قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (سورۃ البقرۃ:188)

ترجمہ: اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ۔

جس معاشرے میں ناجائز ذرائع آمدنی یعنی ناانصافی، بددیانتی، رشوت ستانی، سود خوری، چوری، ڈاکہ زنی، ذخیرہ اندوزی، فریب دہی، اور سٹے بازی کا رواج عام ہو جائے تو اس معاشرے کی کشتی تباہی کے گرداب میں پھنس کر رہ جاتی ہے اور بربادی اس معاشرے کا مقدر بن جاتی ہے۔ اسلام ہر معاملے میں کسبِ معاش کے ان تمام غلط طریقوں سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ اور ناجائز ذرائع کے اختیار کرنے والوں کو جہنم کی خبر دیتا ہے۔ آپ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کا ارشاد مبارک ہے۔ ”حرام رزق پر پلنے والے جسم کو جہنم ہی کا ایندھن بننا چاہیے“ جس شخص کو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر یقین ہوگا وہ کبھی جائز وسائل کو چھوڑ کر ناجائز ذرائع کا رخ نہیں کرے گا۔ خواہ ان میں کتنی ہی دلکشی کیوں نہ ہو۔ البتہ جو شخص اِس شیطانی وسوسے میں مبتلا ہو کہ میں ناجائز ذرائع سے اپنے مقدر سے زیادہ کما سکتا ہوں وہی حرام طریقوں کا سہارا لے گا۔ شیطان کے اس

Web Version of PCTB Textbook

حرب کو ناکام بنانے کا سہل طریقہ یہ ہے کہ اعلیٰ معیارِ زندگی کا ڈھونگ رچانے کی بجائے سادگی، کفایت شعاری، میانہ روی اور قناعت پسندی کے اصولوں پر کاربند رہا جائے۔

7۔ ایثار:

دنیا پرستی اگر انسان کو خودغرضی اور مفاد پرستی سکھاتی ہے تو خدا پرستی اس میں جذبۂ ایثار پیدا کرتی ہے۔ وہ خود تکلیف اٹھا کر خلقِ خدا کو راحت و آرام پہنچاتا ہے۔ اس کا عمل اللہ کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت پائے گا اور اُخروی نعمتوں کے حصول کا سبب بنے گا۔

دیگر محاسنِ اخلاق کی طرح نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ ایثار و سخاوت کا بہترین نمونہ تھے اور سربراہِ مملکت ہوتے ہوئے بھی انتہائی غُربت و عُسرت کی زندگی گزارتے تھے۔ خانۂ مبارک میں ہفتوں چولھا نہیں جلتا تھا۔ لیکن آپ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے گھر سے کوئی سائل محروم نہیں اٹھا۔ اپنے پاس کچھ موجود نہ ہوتا تو قرض لے کر حاجت مند کی حاجت پوری کرتے۔ ایک بار آپ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے جانور ذبح فرمایا اور گوشت تقسیم کی غرض سے گھر بھیج دیا۔ کچھ دیر بعد گھر میں آ کر دریافت فرمایا کتنا تقسیم ہو گیا اور کتنا بچا۔ عرض کیا گیا کہ عمدہ قسم کا گوشت تقسیم ہو گیا ہے اور خراب قسم کا گوشت باقی رہ گیا ہے۔ حضور اکرم خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا ''اور جو تقسیم ہو گیا ہے وہ رہ گیا ہے اور جو باقی بچا ہے حقیقت میں وہ چلا گیا ہے۔''

صحابہ رضی اللہ عنھم بھی جذبۂ ایثار سے سرشار تھے اور اپنی ضرورت پر دوسروں کی حاجت کو ترجیح دیتے تھے۔ مشہور واقعہ ہے کہ رومیوں کے مقابلے میں جانے والی فوج کے ساز و سامان کے لیے مسلمانوں سے مالی اعانت طلب کی گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر کا سارا سامان لے آئے۔ ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قحط کے زمانے میں باہر سے آنے والا غلہ دوگنے چوگنے منافع کی پیشکش کرتے ہوئے خریدا اور بلا معاوضہ تقسیم کر دیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے ایثار کے سلسلے میں ایک واقعہ بڑا اثر انگیز ہے۔ ایک بار کوئی بھوکا پیاسا شخص حضور پرنُور خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے پاس حاضر ہوا۔ رسول کریم خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے دولت کدے پر پانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ حسب دستور ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ آپ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے مہمان کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ گھر پہنچ کر بیوی سے معلوم ہوا کہ کھانا صرف بچوں کے لیے کافی ہے۔ انھوں نے کہا کہ بچوں کو بہلا کر فاقے کی حالت میں سلا دو اور کھانا شروع کرتے وقت کسی بہانے چراغ بجھا دو۔ تاکہ مہمان کو یہ اندازہ نہ ہو سکے کہ ہم کھانے میں شریک نہیں۔ ایسا ہی کیا گیا۔ مہمان نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا اور انصاری کا یہ پورا گھرانہ بھوکا سو رہا۔ صبح جب یہ صحابی رضی اللہ عنہ حضور اکرم خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ جلّ شانہ تمھارے رات کے حسن سلوک سے بہت خوش ہوا۔ (صحیح بخاری، حدیث: 3798 ، صحیح مسلم، حدیث: 2054) ایسے ہی ایثار پیشہ لوگوں کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۭ (سورۃ الحشر: 9)

ترجمہ: اور وہ اپنے آپ پر (اُنھیں) ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود اُنھیں شدید حاجت ہو۔

ہجرت کے موقع پر انصار مدینہ نے مہاجرینِ مکہ کے ساتھ حسنِ سلوک کے سلسلے میں جس ایثار و قربانی کا ثبوت دیا اس کی مثال تاریخِ عالم میں کہیں بھی نہیں ملتی۔

Web Version of PCTB Textbook

(ب) رذائلِ اخلاق

جس طرح اخلاقِ حسنہ کی ایک طویل فہرست ہے جن کو اپنا کر آدمی دنیا اور آخرت میں سرخرو ہو سکتا ہے اسی طرح کچھ ایسے اخلاقِ رذیلہ ہیں جن کو اختیار کرنے کے بعد انسان حیوانی درجے میں جا گرتا ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ اخلاقِ فاضلہ سے آراستہ ہوں اور اخلاقِ رذیلہ سے بچیں جو انسان کی شخصیت کو داغ دار کر دیتے ہیں۔ اور اسے ہر قسم کی نیکی اور بھلائی سے محروم کر دیتے ہیں۔ چند ایک رذائلِ اخلاق درج ذیل ہیں:

1۔ جھوٹ:

جھوٹ نہ صرف یہ کہ بجائے خود ایک برائی ہے بلکہ دیگر بہت سی اخلاقی برائیوں کا سبب بھی بنتا ہے۔ اسلام میں جھوٹ بولنے کی سختی سے مذمّت کی گئی ہے۔ جھوٹ بولنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق ٹھہرا دیا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝ (سورۃ الزّمر: 3)

ترجمہ: بے شک اللہ ہدایت نہیں دیتا اُسے جو جھوٹا (اور) بڑا ناشکرا ہو۔

نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ سے کسی شخص نے دریافت کیا'' یا رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ! جنت میں لے جانے والا کون سا عمل ہے؟'' آپ خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا۔ ''سچ بولنا' جب بندہ سچ بولتا ہے تو نیکی کا کام کرتا ہے۔ اس سے اس کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور ایمان میں یہ اضافہ جنت میں داخلے کا سبب بنتا ہے۔'' اس شخص نے دریافت کیا۔'' یا رسول اللہ خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ! دوزخ میں لے جانے والا کام کیا ہے۔'' فرمایا '' جب بندہ جھوٹ بولے گا تو گناہ کے کام کرے گا۔ جب گناہ کے کام کرے گا تو کفر کرتا چلا جائے گا اور یہ کفر اسے جہنم میں لے جائے گا'' جھوٹ کا تعلق محض زبان سے نہیں بلکہ بہت سے دوسرے ناپسندیدہ اعمال بھی جھوٹ کی تعریف میں آتے ہیں۔ مثلاً غلط طریقے سے کسی کا مال ہتھیانا' کم تولنا' غرور کرنا' منافقت سے کام لینا وغیرہ۔ نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے نمود و نمائش کو بھی جھوٹ کی ایک قسم قرار دیا۔ جھوٹ کے نتیجے میں باہمی اعتبار اور اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔ اور معاشرتی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ جھوٹ کی ہر قسم سے پرہیز کریں۔

2۔ غِیبت:

اخلاقی بیماریوں میں غیبت جس قدر بری بیماری ہے بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں اسی قدر عام ہے۔ بہت ہی کم لوگ ہوں گے جو اس بیماری سے محفوظ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس گناہ سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ (سورۃ الحجرات: 12)

ترجمہ: اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو کیا تم میں سے کوئی شخص پسند کرے گا کہ وہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے پس اس سے تو تم (انتہائی) نفرت کرتے ہو۔

غِیبت کے لیے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کی تمثیل انتہائی بلیغ ہے۔ کیونکہ جس شخص کی غیبت کی جاتی ہے وہ اپنی مدافعت نہیں کر سکتا۔ اس طرح غیبت سے باہمی نفرت کو ہوا ملتی ہے اور دشمنی کے جذبات بھڑکتے ہیں۔ غیبت کے مرض میں مبتلا شخص خود کو عموماً عیبوں سے پاک تصور کرنے لگتا ہے۔ اور جس کی غیبت کی جائے وہ اپنے عیب کی تشہیر ہو جانے کے باعث اور ڈھیٹ ہو جاتا ہے۔ غرض غیبت ہر لحاظ سے معاشرتی

Web Version of PCTB Textbook

سکون کو برباد کرتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے معراج کے واقعات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں نے ایک گروہ کو دیکھا کہ ان کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ لوگ اس سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا۔ یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کی عزت وآبرو بگاڑتے ہیں۔ (یعنی غیبت کرتے ہیں)

شریعتِ اسلامی میں غیبت صرف دو صورتوں میں جائز قرار دی گئی ہے۔ ایک مظلوم کی ظالم کے خلاف فریاد کی شکل میں اور دوسرے لوگوں کو کسی فریب کار کی فریب کاری سے آگاہ کرنے کے لیے۔ بعض علما نے نقل اتارنے اور تحقیر آمیز اشارات کرنے کو بھی غیبت میں شمار کیا ہے۔

غیبت اور اتہام میں فرق ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ غیبت سے مراد کسی شخص کی عدم موجودگی میں اس کی وہ برائی بیان کرنا ہے جو اس میں موجود ہے۔ جب کہ اتّہام (تہمت لگانا) سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کا ایسا عیب بیان کیا جائے جو اس میں موجود ہی نہیں ہے اور اس کے دامنِ عفّت کو بلاوجہ داغ دار بنایا جائے۔

3۔ منافقت:

علماءِ اسلام نے منافق کی دو اقسام بیان کی ہیں۔ ایک وہ منافق جو دل سے اسلام کی صداقت وحقانیت کا قائل نہیں، لیکن کسی مصلحت یا شرارت کی بنا پر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں اور اسلام دونوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اسے اعتقادی منافق کہتے ہیں۔ دوسرا منافق وہ ہے جو اگرچہ خلوصِ نیت سے اسلام قبول کرتا ہے لیکن بعض بشری کمزوریوں کی وجہ سے اسلام کے عملی احکام پر چلنے میں تساہل یا کوتاہی کرتا ہے۔ اسے عملی منافق کہتے ہیں۔ پہلی قسم کا منافق کافروں سے بدتر ہے۔ جب کہ دوسری قسم کا منافق صاحبِ ایمان ضرور ہے لیکن اس کی تعلیم وتربیت ابھی ناقص ہے، جو کسی معلّم ومربّی کے فیضانِ نظر یا صحبت نشینی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

مسلمانوں کے خلاف منافقوں کی سب سے خطرناک چال یہ ہوتی ہے کہ وہ دین داری کے پردے میں مسلمانوں کو باہم لڑا دیں۔ اسی مقصد کے لیے انھوں نے مدینے میں مسجد نبوی خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کے مقابل مسجدِ ضرار تعمیر کی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے اس مسجد کو مسمار کرا کے ان کی سازش کو ناکام بنا دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ (سورۃ التحریم: 9)

ترجمہ: اے نبی (خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ)! آپ کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجیے اور اُن پر سختی کیجیے اور اُن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

ایک مرتبہ نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے منافق کی پہچان بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ منافق کی تین نشانیاں ہیں:

1۔ جب بولے تو جھوٹ بولے۔ 2۔ جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔
3۔ جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

ان نشانیوں کے ہوتے ہوئے چاہے وہ نماز اور روزہ کا پابند ہو وہ منافق ہی ہے۔ قرآن مجید میں ان منافقوں کے انجام کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ دوزخ کے سب سے نچلے اور تکلیف دہ حصے میں رکھے جائیں گے۔

Web Version of PCTB Textbook

4۔ تکبر:

تکبر کے معنی خود کو بڑا اور برتر ظاہر کرنے کے ہیں۔ اردو میں اس کے لیے لفظ بڑائی استعمال کیا جاتا ہے۔قرآن مجید کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے۔کہ مخلوقات میں سب سے پہلے شیطان نے تکبر کیا اور کہا کہ میں آدمؑ سے افضل ہوں۔اس لیے ان کو سجدہ نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا:

فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ (سورۃ الاعراف:13)

ترجمہ: (اللہ نے) فرمایا پھر تُو یہاں سے اُتر جا کیوں کہ تجھے یہ حق نہیں کہ تُو یہاں (رہ کر) تکبّر کرے لہٰذا تُو نکل جا بےشک تُو ذلیلوں میں سے ہے۔

وہ دن اور آج کا دن۔غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا چلا آیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق' آخرت میں بھی متکبر انسانوں کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ (سورۃ الزمر:60)

ترجمہ: کیا تکبّر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے؟

تکبر کی مذمّت فرماتے ہوئے نبی کریم خَاتَمُ النَّبِيِّيْن صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا" جس کے دل میں رائی برابر بھی غرور اور تکبر ہوگا وہ انسان جنت میں داخل نہیں ہوگا۔"

مغرور و متکبر انسان دوسروں کو حقیر سمجھ کر ظلم وزیادتی کرتا ہے اور گناہوں پر بے باک ہوجاتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ مجھے میرے گناہوں کی سزا کون دے سکتا ہے؟ اسی لیے وہ مروت' اخوت' ایثار اور اس قسم کی بہت سی دوسری بھلائیوں سے محروم ہوجاتا ہے۔

5۔ حسد:

انسان دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے کسی بھائی کو اچھی حالت میں دیکھیں تو خوش ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی نعمتوں سے نوازا ہے۔ لیکن حسد وہ بری خصلت ہے جو کسی کو خوش حال اور پرسکون دیکھ کر انسان کو بےچین کردیتی ہے اور وہ اپنے بھائی کی خوشحالی کو دیکھ کر خوش ہونے کی بجائے دل ہی دل میں جلتا اور کڑھتا ہے۔ایسا کرنے سے وہ دوسروں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا خود اپنے لیے پریشانی مول لے لیتا ہے۔یوں تو حسد ایک اخلاقی بیماری ہے لیکن اس کے نتیجے میں انسان کئی دوسری اخلاقی بیماریوں کا شکار ہوجاتا ہے۔مثلاً جب وہ دوسروں کو بہتر حالت میں دیکھنے کا روادار نہیں ہوتا تو وہ اپنے بہت سے عزیزوں سے ترکِ تعلق کرلیتا ہے جو ایک ناپسندیدہ بات ہے۔اسی طرح جس شخص کی طبیعت میں حسد پیدا ہوجائے وہ کبھی قانع نہیں ہوسکتا۔وہ ہمیشہ اپنے سے برتر کو دیکھ کر اپنی حالتِ زار پر کفِ افسوس ملتا رہتا ہے۔ اس کی وہ صلاحیتیں جو اپنی حالت بہتر بنانے پر صَرف ہوسکتی ہیں ہمیشہ دوسروں کی حالت بگاڑنے ہی کی فکر میں ضائع ہوتی ہیں۔حاسد اپنی بھڑکائی ہوئی آگ میں خود ہی جلتا رہتا ہے۔گو اسلام اپنے پیروکاروں کو محبت اور احساس کی تلقین کرتا ہے۔لیکن حاسد کے دل میں سوائے نفرت اور جلن کے کوئی شریفانہ جذبہ جگہ نہیں پاسکتا۔اجتماعی فلاح کے معانی یہ ہیں کہ معاشرے کے جملہ افراد معزز اور خوشحال ہوں۔لیکن حاسد' لوگوں کی نیک نامی اور خوشحالی کو ذلت وخواری میں بدلتے دیکھنا چاہتا ہے۔پس ایک نہ ایک دن وہ معاشرے کی نظروں میں ذلیل ہوکر

Web Version of PCTB Textbook

رہتا ہے۔ مسلمانوں کو ان تمام نقصانات سے بچانے کے لیے حضور نبی اکرم خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ نے حسد سے بچنے کی تلقین فرمائی۔

ارشاد فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ

ترجمہ:۔ دیکھو! حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ خشک لکڑی کو۔

اگر انسان حسد جیسے اخلاق رذیلہ سے بچنا چاہے تو اسے بزرگانِ دین کی سادگی وقناعت کی تاریخی مثالوں سے نصیحت حاصل کرنی چاہیے۔ مزید برآں وہ دولت واقتدار سے پیدا ہونے والی برائیوں اور مفاسد پر نظر رکھے۔

سوالات

Web Version of PCTB Textbook

1۔ ارکانِ اسلام سے کیا مراد ہے، فرد کی تعمیر سیرت اور معاشرہ کی تشکیل میں نماز کیا کردار ادا کرتی ہے؟

2۔ روزے کے مقاصد اور عملی زندگی پر اس کے اثرات بیان کریں۔

3۔ اسلام کے معاشی نظام میں زکوٰۃ کی بنیادی حیثیت پر تفصیلاً روشنی ڈالیں۔

4۔ حج کا فلسفہ کیا ہے؟ نیز اس کے انفرادی اور اجتماعی فوائد بیان کریں۔

5۔ جہاد اسلامی سے کیا مراد ہے؟ اس کی قسمیں اور فضائل بیان کریں۔

6۔ اولاد کے حقوق وفرائض قرآن وسنت کی روشنی میں واضح کریں۔

7۔ اسلام نے عورت کو معاشرہ میں کیا مقام دیا ہے؟ اس کے حقوق اور اس کی ذمہ داریاں بیان کریں۔

8۔ مندرجہ ذیل کے حقوق وفرائض پر مختصر نوٹ لکھیں۔

رشتہ دار، ہمسائے، اساتذہ، غیر مسلم

9۔ معاشرہ کی اسلامی تشکیل کے لیے کن امور کی پابندی ضروری ہے؟

10۔ محاسنِ اخلاق سے کیا مراد ہے؟ ایسے پانچ محاسنِ اخلاق تفصیلاً بیان کریں جن سے معاشرہ سنور سکتا ہے۔

11۔ رذائلِ اخلاق سے کیا مراد ہے؟ ایسے پانچ رذائل کا تفصیلاً ذکر کریں جن سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

12۔ کسبِ حلال کی اہمیت بیان کریں۔

13۔ ''حاسد قناعت کی دولت سے محروم رہتا ہے۔'' وضاحت کیجئے۔

14۔ صحابہؓ کے ایثار کا کوئی واقعہ بیان کیجئے۔

15۔ ''حکمران طبقے کے لیے قانون کی پاسبانی کیوں ضروری ہے۔'' وضاحت کریں۔

☆☆☆